19

آئندہ چندہ تحریک جدید میں شامل ہونے والوں کے لیے شرائط

(فرمودہ 19 مئی 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"یہ تحریک جدید کا دسواں سال ہے اور پہلی سکیم کے مطابق یہ گویا اس کے پہلے دَور کا آخری سال ہے جس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ آئندہ تحریک جدید میں اگر کوئی حصہ لینا چاہے تو اس کے لیے کوئی معیّن صورت ہونی چاہیے اور قواعد ہونے چاہییں۔ تا اگر کوئی آئندہ اس میں شامل ہونا چاہے تو معلوم کر سکے کہ وہ کس طرح شامل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا پہلا دَور تو ختم ہو چکا ہے۔ مَیں نے اس تحریک میں چندوں کے وعدوں کی آخری تاریخ 30/ اپریل رکھی ہوئی تھی ہندوستان کے اُن علاقوں کے لیے جہاں کی زبان اردو نہیں ہے۔ اور فروری کا پہلا ہفتہ آخری تاریخ تھی ہندوستان کے اُن علاقوں کے لیے جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے اب کوئی شخص اس میں ان قواعد کے لحاظ سے تو شامل نہیں ہو سکتا۔ اور ان

لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں آئندہ اِس میں شامل ہونے کی خواہش پیدا ہو ایک سکیم کا فیصلہ کیا ہے اور آج میں اُس کا اعلان کرتا ہوں۔ تا وہ لوگ جو اَب تک شامل نہیں ہو سکے اگر اب اُن کے دل میں شوق پیدا ہو تو وہ اس میں حصہ لے سکیں۔ شروع زمانہ میں یہ ایک اکٹھا کام تھا اس لیے ایک وقت مقرر کر دیا جاتا تھا کہ جو لوگ اس میں شامل ہونا چاہیں وہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک وعدے کر سکتے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر اس میں حصہ لینا چاہے تو کس طرح لے سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سلسلہ کی اشاعت کے لیے ایک مستقل فنڈ کا قیام ایک ایسی بات ہے کہ جس میں حصہ لینے کی خواہش ہمیشہ ہی دلوں میں پیدا ہوتی رہے گی۔ اس لیے ایسے لوگوں کے شامل ہونے کی بھی کوئی صورت ضرور ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس تحریک کی ابتدا میں اس میں شامل ہوئے جبکہ اس کی ایسی شکل نہ تھی جو لوگوں کے لیے دلکشی کا موجب ہو اور اُس وقت شامل ہوئے جب ذہنوں میں یہ بات نہ تھی کہ اس تحریک کو خدا تعالیٰ اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے ایک مستقل فنڈ کی صورت دے دے گا۔ اور جب یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اِس میں شامل ہو کر انہیں کتنی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اور اُس وقت اِس میں شامل ہوئے جب جماعت نازک دَور میں سے گزر رہی تھی اور دشمن حملہ کر کے اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا چاہتا تھا وہ دوسروں سے ممتاز ہیں اور ممتاز ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر بعد میں آنے والی نسلیں اور بعد میں جوان ہونے والے یا بعد میں حصہ لینے کے قابل ہونے والے لوگ بھی اگر اپنے دل میں شوق محسوس کریں تو ان کے لیے بھی کوئی صورت ہونی چاہیے۔ پہلے کوئی پابندی نہ تھی۔ صرف یہی شرط تھی کہ پانچ روپیہ سے کم چندہ نہ دیا جائے اور تاریخ مقررہ کے اندر اندر وعدے کر دیئے جائیں۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ اُن کی آمد زائد تھی مگر چندہ وہ صرف پانچ روپیہ لکھواتے تھے مگر ہم اُن پر اعتراض نہ کر سکتے تھے کیونکہ ان کا ایسا کرنا اعلان کردہ شرائط کے مطابق تھا۔ جہاں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی تنخواہیں سَو سوا سَو سے زیادہ نہ تھیں مگر وہ ہر سال دو اڑھائی سو روپیہ چندہ دے دیتے تھے وہاں ایسے بھی تھے کہ جن کی تنخواہیں تو پانچ سو یا ہزار روپیہ ماہوار تھیں مگر چندہ وہ کم دیتے تھے۔ یا تاجر وغیرہ تھے جن کی آمد تو کئی سو روپیہ ماہوار تھی مگر چندہ کم

ہوتا تھا اور یہ دونوں قسم کے لوگ اِس تحریک میں شامل تھے اور چونکہ کوئی معیار نہ تھا اِس لیے اپنی آمد کی نسبت سے بہت ہی کم چندہ دینے والوں پر بھی ہم کوئی اعتراض نہ کرسکتے تھے کیونکہ ان کا ایسا کرنا قواعد کے مطابق تھا۔ کیونکہ قاعدہ یہی تھا کہ ہر شخص پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ دے کر شامل ہوسکتا ہے۔ اور السَّابِقُوْنَ میں وہ لوگ شمار ہوتے تھے جو ہر سال پہلے سال سے بڑھا کر دیتے۔ خواہ زیادتی ایک پیسہ یا ایک آنہ کی ہی ہو۔ مگر وہ زمانہ گزر گیا اور السَّابِقُوْنَ نے اپنا حق قائم کرلیا۔ آئندہ اگر کوئی شخص شامل ہونا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اُس کا ایک سال کا چندہ ایک ماہ کی آمد کے برابر ہو۔ یعنی اگر کسی شخص کی تنخواہ سو روپیہ ماہوار ہے تو جب تک وہ ایک سال میں ایک سو روپیہ چندہ نہ دے وہ شامل نہ ہوسکے گا۔ اسی طرح جس کی آمد ایک ہزار روپیہ ماہوار ہے وہ اگر شامل ہونا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک سال میں ایک ہزار روپیہ چندہ دے۔

دوسری شرط یہ ہوگی کہ آئندہ شامل ہونے والوں کو بجائے دس سال کے انیس سال چندہ دینا ہوگا اور ہر سال پہلے سال سے اتنی زیادتی کرنی ہوگی جتنی کہ آمد میں زیادتی ہوگی۔ مثلاً ایک شخص کی آمد سو روپیہ ماہوار ہے اور اس نے پہلے سال سو روپیہ دے دیا، اگلے سال اس کی آمد ڈیڑھ سو روپیہ ہوگئی تو اسے دوسرے سال ڈیڑھ سو روپیہ چندہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر اس کی آمد میں کوئی بھی ترقی نہ ہو تو پھر دوسرے سال اسے کچھ نہ کچھ زیادتی کرنی ہوگی۔ اضافہ بہرحال کرنا ضروری ہوگا اور وہ اضافہ اتنا ہوگا جتنا وہ پسند کرے۔ اگر اس نے پہلے سال سو روپیہ دیا اور اگلے سال اس کی آمد میں اضافہ نہیں ہوا تو وہ خواہ سو روپیہ ایک آنہ یا سو روپیہ ایک پیسہ دے دے یا جتنی زیادتی وہ چاہے کرتا جائے۔ اس صورت میں زیادتی اس کی اپنی مرضی سے ہوگی۔ لیکن اگر آمد میں زیادتی ہو تو اس سال کے چندہ میں زیادتی آمد میں زیادتی کے برابر ہوگی اور اس طرح دس سال تک زیادتی کرنی ہوگی۔ گیارھویں سال میں وہ پھر نویں سال کے برابر چندہ دے گا، بارھویں سال آٹھویں سال کے برابر، تیرھویں سال ساتویں سال کے برابر، چودھویں سال چھٹے سال کے برابر، پندرھویں سال پانچویں سال کے برابر، سولھویں سال چوتھے سال کے برابر، سترھویں سال تیسرے سال کے برابر، اٹھارویں سال

دوسرے سال کے برابر اور انیسویں سال پہلے سال کے برابر چندہ دینا ضروری ہو گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی فوت ہو جائے۔ جس طرح پہلے دَور میں یہ شرط تھی کہ اگر کوئی پہلے سال میں شامل ہوا اور پھر فوت ہو گیا تو اسے آخر تک شامل ہی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اِسی نیت سے شامل ہوا تھا کہ آخر تک شامل رہے گا۔ اِسی طرح اس دَور میں ہو گا کہ جو شخص ایک سال یا چند سال شامل ہونے کے بعد فوت ہو جائے تو اُس کا شمار آخر تک شامل ہونے والوں میں ہو گا۔ اس طرح اگر کسی کی پنشن ہو جائے تو اُس کی آمد کے لحاظ سے ہی اُس سے چندہ لیا جائے گا۔ جس کی آمد سو روپیہ ماہوار تھی اور اس سے سو روپیہ چندہ لیا جاتا تھا پنشن ہونے کی صورت میں چونکہ اس کی آمد پچاس روپیہ ماہوار ہو جائے گی اس لیے اس سے چندہ بھی اتنا ہی لیا جائے گا اور یہ کمی، کمی شمار نہ ہو گی بلکہ قواعد کے مطابق ہی سمجھی جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہو گی کہ اگر کسی کی آمد کا ذریعہ بند ہو جائے یا ملازمت سے کوئی علیحدہ ہو جائے تو اُس کا فرض ہو گا کہ اپنا معاملہ فردی طور پر تحریک جدید کے دفتر کے سامنے پیش کرے اور دفتر اُس کے متعلق فیصلہ کرے گا۔ پس اگر کسی کی ملازمت جاتی رہے یا تجارت میں نقصان ہو جائے یا کسی کے پاس پہلے زمین تھی اور بعد میں وہ اس کے قبضہ میں نہ رہے تو وہ اپنا معاملہ دفتر تحریک جدید میں پیش کرے گا۔ پھر اس کی موجودہ حالت کے مطابق اس کے لیے چندہ مقرر کر دیا جائے گا۔ یہ وہ شرائط ہیں جن کی پابندی آئندہ شامل ہونے والوں کے لیے ضروری ہو گی۔ پس اب اگر کوئی شخص اس تحریک میں حصہ لینے کی خواہش کرے تو دفتر اسے لکھ دے کہ ان شرائط کی پابندی لازمی ہو گی سوائے اس کے کہ کوئی فوت ہو جائے یا بیمار ہو جائے۔ مثلاً مفلوج ہو جائے یا دماغ میں نقص پیدا ہو جائے اور اس کی آمد بالکل جاتی رہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہ قواعد کے مطابق اس تحریک میں حصہ لینے والے ہیں۔ خواہ یہ حالت ایک ہی سال حصہ لینے کے بعد پیدا ہو جائے یا چند سال کے بعد۔ کامل ایمان پیدا نہ ہو تو کوئی قربانی نہیں کی جاسکتی۔ جب انسان کو یہ کامل یقین ہو کہ وہ جس راستہ پر چل رہا ہے وہ کامیابی کا راستہ ہے، بربادی اور تباہی کا نہیں تو پھر قربانی کی راہ میں کوئی روک نہیں رہتی۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی موت اسے حیات بخشے گی۔ اس کا یا اس کی

اولاد کا قتل ہو جانا اسے اور اس کے خاندان کو زندہ کر دے گا اور رشتہ داروں اور عزیزوں سے جدائی ہی حقیقی وصال کا موجب ہو گی۔ پھر وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

صحابہ کرامؓ کو دیکھ لو چونکہ ان کے اندر حقیقی ایمان پیدا ہو چکا تھا اس لیے ان کے نزدیک موت و حیات برابر تھے، وطن کو چھوڑ دینا اور عزیزوں سے جدائی اختیار کر لینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں انہیں نہ اپنی موت کی پرواہ تھی اور نہ اپنے رشتہ داروں کی، نہ انہیں اپنے وطن چھوڑنے کا خوف تھا اور نہ رشتہ داروں سے جدائی کا۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی بات تھی اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا تھی۔ اس کے لیے وہ سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مَیں نے کئی بار سنایا ہے۔ ایک دفعہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے آپ کے لڑکے عبدالرحمان بھی تھے اور باتیں ہو رہی تھیں۔ عبدالرحمان بعد میں مسلمان ہوئے تھے اور بدر کی جنگ میں وہ کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ بدر کی جنگ میں آپ ایک موقع پر جوش میں بہت آگے نکل گئے۔ مَیں ایک پتھر کی اوٹ میں اِس تاک میں بیٹھا تھا کہ یہ مسلمان جب واپس آئے گا تو اُس پر حملہ کر کے قتل کر دوں گا۔ جب آپ قریب پہنچے تو مَیں حملہ کے لیے آگے بڑھا۔ مگر جب دیکھا کہ آپ ہیں تو پیچھے ہٹ گیا اور مَیں نے خیال کیا کہ مجھے اپنے باپ کو نہ مارنا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے بے ساختہ کہا کہ عبدالرحمان! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان نصیب کرنا تھا اس لیے مَیں نے تمہیں نہ دیکھا۔ خدا کی قسم! اگر مَیں تمہیں دیکھ لیتا تو ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔[1] دیکھو دونوں دشمن کی صفوں سے آئے تھے۔ ایک یہ سمجھ کر جان دینے کے لیے میدان میں آیا تھا کہ اسلام جھوٹا ہے اور دوسرا یہ سمجھ کر آیا تھا کہ کفر جھوٹا ہے۔ وہ بھی اس نیت سے آیا تھا کہ اپنے مدمقابل کو شکست دینی ہے اور وہ بھی اِسی ارادہ سے آیا تھا مگر فرق یہ تھا کہ کفر موقع آنے پر پدری محبت سے مغلوب ہو گیا مگر اسلام نے بھائی کے دل سے بھائی کی، باپ کے دل سے بیٹے کی، بیٹے کے دل سے باپ کی، خاوند کے دل سے بیوی کی اور بیوی کے دل سے خاوند کی محبت کو سرد کر دیا تھا۔ وہ صرف یہی سمجھتے تھے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تلوار اٹھا کر میدان میں آیا ہے

وہ نہ ہمارا باپ ہے اور نہ بیٹا، نہ بھائی ہے نہ کوئی اور رشتہ دار۔ یہی بات تھی جس نے اُن کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ خدا ہے اور اگر ہم اس کے لیے قربانی کریں تو اس کی محبت حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اِس نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنی ہے اور اس راہ میں کوئی روک ان کے رستہ میں حائل نہ ہو سکتی تھی۔

اِسی سلسلہ میں عبد اللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے کا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ بعض انصار اور مہاجرین میں کچھ جھگڑا ہو گیا تو عبد اللہ بن اُبی نے جو منافق تھا انصار کو جوش دلانے کے لیے کہا کہ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ[2] یعنی جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو سب سے زیادہ معزز انسان (یعنی وہ خبیث خود) سب سے زیادہ ذلیل انسان (یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مدینہ سے نکال دے گا۔ یہ بات صحابہ کرام میں پھیلی تو عبد اللہ بن ابی کا لڑکا جو مخلص مسلمان تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی بات کہی ہے جس کی سزا قتل کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ مَیں جانتا ہوں کہ اُس نے آپ کی ہتک کی ہے اور اُس کی سزا قتل ہے اور مَیں ایک درخواست لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور وہ یہ کہ اس کے قتل کا حکم کسی اَور کو دینے کے بجائے مجھے دیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ کسی وقت ایمان کی کمزوری کی حالت میں اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر مَیں کسی مسلمان پر حملہ کر دوں۔ پس آپ میرے باپ کے قتل کا حکم مجھے دیں تا کسی مسلمان کا بُغض میرے دل میں پیدا نہ ہو۔[3] پس صحابہ نے بیٹوں، باپوں، بھائیوں، بیویوں اور خاوندوں وغیرہ سب کی محبت کو دلوں سے نکال دیا تھا۔ ان کے قلوب میں صرف خدا تعالیٰ کی محبت رہ گئی تھی یا خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں تھی۔

اوپر مثالیں تو مردوں کی محبت کی تھیں۔ عورتوں کی محبت بھی کم نہ تھی۔ اُحد کی جنگ کے موقع پر جب یہ خبر مدینہ میں مشہور ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کا لشکر تتّر بتّر ہو گیا ہے تو یہ ایک ایسی خبر تھی کہ اس قسم کی خبر کو سن کر ہمارے ملک کی عورتیں اور بچے تو گاؤں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ مگر مسلمان عورتیں اور بچے

اِس خبر کو سن کر بجائے اِس کے کہ مدینہ سے بھاگتے اکٹھے ہو کر اُحد کی طرف چل پڑے۔ حدیثیں اِس بارہ میں خاموش ہیں کہ وہ کیوں اُحد کی طرف چلے۔ مگر عقل بتاتی ہے کہ ان کی ایک ہی غرض ہو سکتی تھی اور وہ یہ کہ وہ سمجھتے تھے اگر واقعی مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو چکا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو وہاں جا کر آپؐ کے جسمِ اطہر کی حفاظت کرنے کے سوا اُن کی اَور کوئی غرض نہ ہو سکتی تھی۔ بعد میں معلوم ہو گیا کہ یہ خبر غلط تھی۔ یہ ہجوم تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اسلامی لشکر واپس آ رہا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ لوگوں کو آگے بھیجا تھا کہ جلد پہنچ کر مدینہ میں اطلاع دیں تا وہاں جو لوگ ہیں اُن کی پریشانی دور ہو۔ وہ ہجوم اُحد کی طرف جا رہا تھا کہ تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک مسلمان سوار واپس آتا ہوا ملا۔ اس نے عورتوں اور بچوں کے اس ہجوم کو دیکھا تو ایک عورت کو ان میں سے پہچانا۔ وہ عورت آگے بڑھی اور اس سپاہی سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خیریت سے دیکھ کر آیا تھا، اُس کا دل مطمئن تھا اِس لیے اُس نے اس عورت کے سوال کا تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ اُسے کہا کہ بہن! افسوس ہے تمہارا باپ شہید ہو گیا۔ یہ سن کر اُس عورت نے کوئی جزع فزع نہ کی بلکہ پوچھا کہ مجھے یہ بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس پر بھی چونکہ اس شخص کے دل میں اطمینان تھا اُس نے کہا کہ افسوس! تمہارا خاوند بھی مارا گیا۔ مگر اس عورت نے پھر اِس بات کی کوئی پروا نہ کی اور پوچھا کہ مَیں جو پوچھ رہی ہوں وہ بات مجھے بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے پھر بھی اس سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا کہ تمہارا بھائی بھی مارا گیا ہے۔ یہ سن کر بھی اس عورت نے یہی کہا کہ مَیں نے نہ باپ کا پوچھا ہے، نہ بھائی کا اور نہ خاوند کا۔ مَیں تو یہ پوچھ رہی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے۔ تب اس کی آنکھیں کھلیں اور اس نے دل میں کہا کہ یہ عورتیں اپنے اخلاص میں ہم مردوں سے کم نہیں ہیں اور اس نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اگر آپؐ خیریت سے ہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں کہ میرا باپ، بھائی اور خاوند مارے گئے۔ **4**

تو یہ اخلاص اُن کے اندر کس چیز نے پیدا کیا تھا؟ یہ ایمان ہی کا نتیجہ تھا ان کو خدا تعالیٰ پر اور اس کے کلام پر بے انتہا یقین تھا شبہ کی حالت نہیں تھی۔ شبہ کی حالت میں انسان اس قدر قربانی نہیں کر سکتا کیونکہ کبھی وہ خیال کرتا ہے کہ شاید یہ بات صحیح ہو اور کبھی خیال کرتا ہے شاید صحیح نہ ہو۔ مگر وہ لوگ یقینِ کامل کے مقام پر تھے۔ موت کے بعد کی زندگی پر بھی انہیں کامل یقین تھا اور وہ خدا تعالیٰ سے ملنے کے لیے بے تاب رہتے تھے اور دین کی راہ میں مرنا بہت بڑی نعمت یقین کرتے تھے۔ ضرارؓ بن ازور ایک بہت بڑے جرنیل اور بہادر سپاہی تھے۔ ایک جنگ کے موقع پر کفار کے ایک پہلوان نے مسلمانوں کے بہت سے سپاہی مار دیئے۔ آخر حضرت ضرار اس کے مقابلہ پر بھیجے گئے۔ آپ اس کے سامنے ہوئے تو معاً واپس دَوڑ پڑے اور اپنے لشکر میں پہنچ کر سیدھے اپنے خیمہ میں گُھس گئے۔ یہ دیکھ کر تمام مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا اور اسلامی کمانڈر بھی بہت حیران ہوا کہ یہ کیا ہوا۔ اس نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ ضرار سے پوچھو کیا بات ہے۔ وہ پوچھنے گیا تو ضرار اُس وقت خیمہ سے باہر آ چکے تھے۔ اس نے پوچھا تو ضرار نے جواب دیا کہ میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ مَیں میدان سے بھاگا نہیں مَیں جب اس کے مقابل پر ہوا تو اُس وقت میں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ میرے نفس نے کہا کہ کیا یہ زِرہ تُو نے اس لیے پہن رکھی ہے کہ اِس کافر کے ہاتھ سے مارا نہ جاؤں۔ کیا تُو خدا تعالیٰ سے ملنے میں خوف محسوس کرتا ہے۔ اس پر مَیں نے سوچا کہ اگر مَیں مارا گیا تو خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ مَیں زِرہ کی مدد سے تیرے سامنے آنے سے بچنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں واپس آگیا کہ زرہ اُتار دوں۔ اب مَیں ننگے بدن اس کے مقابل پر جاتا ہوں۔ اسے میں نے اس لیے اتار دیا ہے تا میرے اور میرے خدا کے درمیان کوئی روک نہ ہو۔

یہ یقین اور وثوق جب کسی قوم میں پیدا ہو تو تبھی وہ کامیابی کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ ایسا یقین حاصل ہونے کے بعد کوئی قوم مرنے سے نہیں ڈر سکتی اور جو قوم مرنے کے لیے تیار ہو جائے اُسے کوئی مار نہیں سکتا۔ جو لوگ خود اپنے لیے موت قبول کر لیتے ہیں فرشتے ان کو زندہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر موت کے بعد زندگی ہوتی ہے اور اس لیے جو خود اپنے لیے موت وارد کرے اُسے ہزاروں جانیں مل جاتی ہیں۔ ایسی قوم کا اگر

ایک فرد مارا جاتا ہے تو ہزار اَور کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا ایمان اور یقین پیدا کرو۔ اور اس کے پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن مجید کو بار بار پڑھو، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو بار بار پڑھو۔ خدا تعالیٰ کا تازہ کلام انسان کے ایمان میں تازگی بخشتا ہے۔ قرآن کریم ایسی کتاب نہیں جو کسی زمانہ میں بھی پرانی ہو جائے۔ یہ ہمیشہ ہی تازہ ہے۔ اس میں آج بھی ویسے ہی معارف ہیں جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور ہمیشہ یہ خزانہ اِسی طرح رہے گا۔ اس کی عبارتوں کا آپس میں جوڑ، الفاظ کی ترتیب اور اس کی سورتوں کا آگے پیچھے ہونا سب کچھ معجزہ ہے اور اس لیے اِسے جب بھی پڑھا جائے یہ ایمان کو تازگی بخشتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام اور اس لحاظ سے ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں۔ ان کو ہر زمانہ میں پڑھنے والا دیکھتا ہے کہ فلاں الہام اس کے اپنے گھر میں یا ہمسایہ میں یا محلہ یا شہر میں یا ملک میں یا کسی اَور ملک میں پورا ہو رہا ہے اور اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ زندہ ایمان بخشنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے تازہ کلام کے سوا اور کوئی نہیں۔ پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام پڑھتے رہو اور اس بات کو مدنظر رکھو کہ خدا تعالیٰ کا تازہ سے تازہ کلام قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم ایسا کلام ہے جو کبھی بھی باسی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات ہیں۔ اس کے بعد کئی ایسی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے قبل از وقت بتائیں اور پھر وہ اُسی طرح کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا پوری ہوئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیاں بھی میرے ذریعہ پوری ہوئی ہیں اور یہ بھی ایک ہوش مند انسان کے ایمان کو بڑھانے کا موجب ہیں۔ پس مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنے ایمانوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔

اس کے بعد تین چیزیں ہیں جب تک وہ جماعت میں قومی طور پر پیدا نہ ہو جائیں قومی ترقی ممکن نہیں۔ فردی ترقی تو ہو سکے گی مگر قومی نہ ہوگی۔ ان میں سے پہلی چیز سچ بولنا ہے۔ مَیں نے بار بار دوستوں کو توجہ دلائی ہے کہ جب تک قوم میں سچ بولنے کی عادت

پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک ترقی ممکن نہیں۔ سچ میں بہت فوائد ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ خدا تعالیٰ کا اپنا نام حق ہے۔ لوگ اپنے لڑکوں کے نام عبد الحق، عطاء الحق وغیرہ خدا تعالیٰ کے اِسی نام پر رکھتے ہیں یعنی حق کا بندہ، حق کی عطاء۔ پس جو سچ کو چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے۔ یورپ کی قوموں کو گو ہم سچا نہیں سمجھتے مگر ان میں یہ صفت ہے کہ مقدمات کے وقت ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ سچ بولے۔ مگر یہاں سچ بولنے والا بھی کوشش کرتا ہے کہ کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور بولے۔ یورپ کے مجرم جھوٹ بولتے ہیں مگر کم سے کم۔ جتنا وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے ضروری سمجھتے ہوں۔ مگر یہاں بلاوجہ جھوٹ بولا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی کے دوست پر کوئی الزام آتا ہو تو اس کو بچانے کے لیے بھی جھوٹ بول دیتے ہیں اور یہ کوئی نہیں سوچتا کہ مَیں نے اپنی قبر میں جانا ہے اور میرے دوست نے اپنی قبر میں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ سچ بولو خواہ وہ تمہارے اپنے نفس کے خلاف ہو، خواہ ماں باپ اور بچوں کے خلاف ہو، خواہ بھائی کے خلاف ہو۔ ہمیشہ دلیری کے ساتھ سچی گواہی دو۔5

ہماری جماعت میں ایک آدمی ہے جو بظاہر نیک ہے۔ وہ سلسلہ کا کام بھی خوب کرتا ہے۔ ممکن ہے اب اس کی اصلاح ہوگئی ہو۔ مَیں نے ایک دفعہ اُس سے سچی بات معلوم کرنے کے لیے آدھ گھنٹہ تک اُس پر سوالات کیے مگر اُس نے سچی بات نہ بتائی۔ جب مَیں اسے پوچھتا کہ فلاں وقت فلاں آدمی وہاں تھا؟ تو وہ جواب دیتا کہ میرا مُنہ اُس وقت فلاں طرف تھا۔ آخر آدھ گھنٹہ کی کوشش کے بعد مَیں نے اُسے کہہ دیا کہ آپ سے سچ نکالنے میں مجھے بڑی دقت پیش آئی ہے۔ تو وہ مبلغ بھی ہے، سلسلہ کا کام بھی کرتا ہے (آنریری طور پر، ورنہ کارکن نہیں ہے) مگر سچ بولنا گویا اُس کے لیے موت تھا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جب بھی کسی سے گواہی لینے کا موقع ملا وہ سیدھی بات کرنے کے بجائے ضرور ایچا پیچی سے کام لیتا ہے۔ ساری عمر میں مَیں نے ایک شخص سے مرعوب کر دینے والا سچ سنا ہے۔ یہ بہت ہی تھوڑی مثال ہے۔ مگر سچ بھی بڑا شاندار ہے۔ اُس سے بہت بڑا جرم سرزد ہوا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ وہ گستاخ تھا اور یہ بھی نہیں کہ وہ مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ مَیں نے اُسے بلایا اور پوچھا کہ آپ نے یوں کیا ہے؟ اس کے اس جرم کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ کوئی گواہی اس کے خلاف نہ تھی۔ مگر جونہی مَیں نے اس سے سوال کیا اُس

کے چہرہ پر سرخی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے سر نیچے ڈال دیا اور کہا ہاں مَیں نے ایسا کیا ہے۔ یہ ایک واقعہ میری ساری عمر کا ہے۔ اِس واقعہ پر 24، 25 سال بلکہ اِس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر مجھے وہ وقت نہیں بھولتا جب اُس نے یہ جواب دیا۔ تو حیثیت ہی بدل گئی اور مجھے یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ جج ہے اور مَیں مجرم ہوں جو اس کے سامنے پیش ہوں۔ تو سچ ایک ایسی چیز ہے کہ اگر تم اسے اپنے اندر پیدا کر لو تو دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر سکتے ہو۔ مگر سچ صرف اپنے اندر پیدا کرنا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اپنی اولاد، بیوی، بھائی بہنوں، ماں باپ، خاوند سب کے اندر سچ بولنے کی عادت پیدا کی جائے اور سب کے متعلق سچ بولا جائے۔ بہت لوگ ہیں جو شاید اپنے متعلق تو سچ بول دیں مگر جب سوال پیدا ہوتا ہے بیوی بچوں کا، ماں باپ کا یا دوسرے رشتہ داروں کا تو ایچ پیچ کرنے لگتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تم خواہ مخواہ سچ بیان کرتے پھرو۔ بلکہ اُس وقت سچ بولو جب وہ شخص پوچھے جسے خدا تعالیٰ نے پوچھنے کا حق دیا ہے۔ اس کے سامنے سچی بات بیان کر دو۔ اگر کسی کا کوئی عیب دیکھو تو سچ بولنے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ہر جگہ بیان کرتے پھرو۔ یہ سچ نہیں بلکہ یہ غیبت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا کسی کے متعلق سچی بات کا بیان کرنا بھی غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اگر بیان کردہ بات سچ نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے۔**6** تو سچ بولنے کے یہ معنے نہیں کہ دوسروں کی کمزوریوں کو ہر جگہ بیان کرتے پھرو۔ سچ کو اپنے مخالف سے بدلہ لینے کا ذریعہ بنانا جائز نہیں۔ یہ سچ نہیں بلکہ بُغض اور کینہ ہے اور مُردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ سچ بولنے کے معنے یہ ہیں کہ جب قاضی کے سامنے شہادت کا موقع آئے تو سچی بات بیان کر دو اور جب پوچھا جائے کہ فلاں واقعہ تم نے دیکھا ہے وہ کس طرح ہوا۔ تو بغیر اِس بات کا خیال کیے کہ سچا واقعہ بیان کرنے سے تمہارے دوست یا بھائی یا باپ یا بیوی یا خاوند پر کوئی الزام آئے گا سچی بات بیان کر دو۔ اپنے کسی دوست یا عزیز کے بارہ میں جھوٹا پروپیگنڈا بھی کبھی نہ کرو۔ اگر تم سچ نہیں بول سکتے تو جھوٹ بھی نہ بولو اور چُپ رہو۔ پس اگر قوم کے اندر سچائی قائم کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریق یہی ہے کہ بغیر اِس بات کا خیال کیے کہ تمہارا کوئی دوست یا عزیز رشتہ دار زیرِ الزام آتا ہے صحیح واقعہ بیان کر دو

اور جہاں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ سچ بات بیان کرو وہاں کبھی جھوٹ نہ بولو۔ اور یہ عہد کر لو کہ جب بھی کوئی بات بیان کرنے کا موقع آئے گا، سچ بیان کرو گے، جھوٹ کبھی نہ بولو گے۔ سچ بولنا ایسا مشکل ہو گیا ہے کہ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص نے وصیت کی ہے اور ہم سے اُس کی تصدیق مانگی گئی ہے ہم کیا لکھیں؟ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر سچی بات لکھی تو وہ شخص دشمن ہو جائے گا۔ وہ انسان کی دشمنی سے ڈرتے ہیں خدا تعالیٰ بے شک دشمن ہو جائے اس کی پروا نہیں۔ جب قوم میں سچ بولنے کی عادت ہو جائے گی تو بہت سے نقائص خود بخود دور ہو جائیں گے۔ جب ایک شخص کو معلوم ہو گا کہ اگر مَیں نے دوسرے کو گالی دی تو میرا باپ یا میرا بھائی جو بھی موقع پر موجود ہے میرے خلاف گواہی دے دے گا تو وہ دوسرے کو گالی دینے سے پہلے ضرور سوچ لے گا کہ مَیں سزا سے نہیں بچ سکوں گا اور اس طرح گالیاں دینے کی عادت خود بخود ترک ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی کو مارنے والے کو جب یہ احساس ہو گا کہ میرے اپنے عزیز اور دوست بھی میرے خلاف گواہی دے دیں گے تو وہ اسی صورت میں مارے گا کہ جب وہ سمجھتا ہو گا کہ مجھے خود قاضی کے سامنے جا کر ماننا پڑے گا کہ مَیں نے مارا ہے اور اس طرح مَیں خود بھی مار کھاؤں گا۔ تو سچ سے سب قومی اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ پس سچ کو اپنے اندر قائم کرو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ہر شخص دیانتدار ہو اور دیانت پر قائم رہنے کا عہد کرے۔ کسی کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہے اُسے بر وقت ادا کرنا بہت ادنیٰ درجہ کی دیانت ہے۔ مگر بہت لوگ کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے کا پیسہ کھینچا جا سکے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ میرا کوئی پیسہ کسی کے پاس چلا جائے تو بے شک چلا جائے کسی کا میری طرف نہ رہے۔ صحابہ کرام نے اگر تھوڑے ہی عرصہ میں عظیم الشان ترقیات حاصل کیں اور دلوں کو موہ لیا تو اِسی لیے کہ اُن میں دیانت تھی۔ مسلمانوں نے یروشلم کو فتح کیا۔ مگر بعد میں اسے خالی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلامی کمانڈر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اپنا عقب محفوظ کرنے کے لیے بار برداری کے راستہ کو چھوٹا کرنا ضروری ہے اس لیے یروشلم کو چھوڑنا ضروری ہے۔ مگر ان لوگوں سے ہم ایک سال کا ٹیکس اس وعدہ پر وصول کر چکے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں

گے۔ اب چونکہ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے اس لیے اس وصول شدہ ٹیکس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ٹیکس فوراً واپس کیا جائے۔ چنانچہ ہر شخص سے جتنا جتنا ٹیکس وصول کیا گیا تھا اُسے واپس کر دیا گیا۔ یہ دیانت کی ایسی اعلیٰ مثال ہے کہ دنیا کی کوئی اور حکومت اِس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ دنیا کی حکومتوں کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ یا شہر کو چھوڑتی ہیں تو اس امر کی پروا نہیں کرتیں کہ سپاہی اس علاقہ کو لوٹ لیں۔ کیا کوئی امید کر سکتا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو ملک سے وصول شدہ مالیہ واپس کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ سارے ملک کا تو کجا کسی ایک شہر یا گاؤں کا بھی واپس نہ کریں گے۔ مگر مسلمان جب یروشلم کے علاقہ سے ہٹے تو تمام وصول شدہ ٹیکس واپس کر دیا۔ اس کا اتنا اثر تھا کہ باوجودیکہ یروشلم پر جو فوج بڑھ رہی تھی وہ عیسائیوں کی تھی اور اس کے افسر یروشلم کے پادری تھے جب مسلمان واپس ہو رہے تھے تو عیسائی مرد اور عورتیں اور بچے رو رو کر دعائیں کر رہے تھے کہ خدا تم لوگوں کو واپس لائے۔7 اسی طرح اگر تم بھی دیانت پر پوری طرح قائم ہو جاؤ تو لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کو یہاں لائے۔ لیکن اگر دیانت تم میں پیدا نہ ہوگی تو کوئی بھی تمہارے لیے ایسی دعا نہ کرے گا اور اگر بددیانتی ہوگی تو لوگ یہ دعائیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے۔ پس اپنے اندر دیانت پیدا کرو۔ لین دین میں صفائی پیدا کرو، نہ صرف اپنے اندر بلکہ اپنے ہمسائیوں اور رشتہ داروں کے اندر بھی دیانت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارا جو دوست بددیانت ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ کہ وہ اس سے باز آجائے اور اسے بتا دو کہ تمہاری دوستی اس سے اسی صورت میں رہ سکتی ہے کہ وہ دیانتدار بنے ورنہ نہیں۔ کیا کبھی کوئی شخص کسی کوڑھی سے دوستی پیدا کرتا ہے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو تم ایک بددیانت سے کس طرح دوستی رکھ سکتے ہو۔ پس خود بھی صفائی کے ساتھ دوسروں کے حقوق ادا کرو اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بھی یہ بات پیدا کرو۔ ورنہ تم روحانی لحاظ سے کوڑھی ہو گے۔ اور یہ چیز نہ صرف اپنے نفسوں میں بلکہ اپنے بھائیوں، بیٹوں، ماں باپ، خاوند، بیوی، غرضیکہ سب میں پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر ہر شخص اس رنگ میں دوسروں کے لیے نگران بن جائے تو قوم میں

دیانت پیدا ہو سکتی ہے۔

تیسری چیز عورتوں کی اصلاح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ مجھے فرمایا ہے کہ "اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کر لو تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی"۔ تو عورتوں کی اصلاح بھی جماعت پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ عورتوں کو اپنے جیسا انسان سمجھا جائے۔ ان کے حقوق پوری طرح ادا کیے جائیں۔ مَیں نے نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ بھی ابھی تک یہی سمجھتے ہیں کہ عورتیں بھینس اور گائیں ہیں۔ جیسا سلوک چاہا اُن سے کر لیا۔ مَیں نے کئی بار مخلّٰی بِالطبع ہو کر سوچا ہے اور مَیں اِسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کے لحاظ سے عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ اور اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے عورتوں پر مردوں کے۔ اور مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ جو کتاب عورت اور مرد کے حقوق میں فرق کرتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی کتاب نہیں ہو سکتی۔ جس خدا نے ایک جیسے دل اور ایک جیسے دماغ دونوں کو دیئے ہیں ضروری ہے کہ وہ ایک ہی جیسے حقوق بھی دے۔ دنیا میں انصاف قائم رکھنے کے لیے کسی کے ہاتھ فیصلہ کی آخری کنجی رکھ دینا اور بات ہے۔ مگر جہاں تک حقوق کا سوال ہے اسلام نے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ **8** یعنی جیسے ہم نے عورتوں پر مردوں کے حقوق رکھے ہیں ویسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں۔ مگر لوگ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں۔ جب چاہا طلاق دے دی، جب چاہا گھر سے نکال دیا۔ ایسی حالت میں یہ امید رکھنا کہ عورتیں بھی دین کے لیے ویسی ہی قربانیاں کریں جیسی مرد کرتے ہیں بالکل غلط امید ہے۔ جب تک عورتوں میں بھی مردوں جیسا ہی جذبہ قربانی کا پیدا نہ ہو فتح حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک ہم نہ صرف تعلیم سے بلکہ عمل سے بھی یہ نہ ثابت کر دیں کہ خدا تعالیٰ کی کتاب میں ان کے حقوق بھی ویسے ہی محفوظ کیے گئے ہیں جیسے مردوں کے، عورتوں میں قربانی کی صحیح رُوح پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک عورتیں یہ نہ سمجھیں وہ خدا تعالیٰ کی کتاب پر سچے دل سے ایمان نہیں لا سکتیں۔ اور اگر واقعی ایسا نہ ہو تو وہ حق رکھتی ہیں اِس بات کا کہ قرآن کریم کو

خدا تعالیٰ کی کتاب نہ سمجھیں کیونکہ خدا کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ جب اس نے عورتوں کو بھی دل ویسے ہی دیئے ہیں جیسے مردوں کو۔ جب دماغ ایک سے دیئے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کو حقوق بھی ویسے ہی دے۔ اگر خدا تعالیٰ نے مردوں کو یہ حق دیا ہوتا کہ وہ جیسا چاہیں عورتوں سے سلوک کریں اور ان پر حکومت کریں تو وہ عورتوں کو ویسا ہی دل و دماغ نہ دیتا۔ اس نے بھینس پر ہمیں حکومت دی ہے مگر بھینس کو ہمارے جیسا دل اور دماغ نہیں دیا۔ گائے بکری پر حکومت دی ہے مگر گائے بکری کو ہمارے جیسا دل اور دماغ نہیں دیا۔ پس عورتوں کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کے حقوق دیے جائیں۔ اگر مسلمان عورتوں کو قرآن کریم کے حکم کے مطابق حقوق دیں تو یہ یقینی بات ہے کہ عورتیں بھی دین کی راہ میں پورے شوق سے قربانی کریں گی۔ اگر تم ان کے حقوق ادا کرو، اُن کے ساتھ ویسا ہی حُسنِ سلوک کرو جیسا کہ اسلام کا حکم ہے اور پھر ان سے کہہ دو کہ اگر تم اسلام کی راہ میں قربانی نہ کرو گی۔ تو ہمارے ساتھ تمہارا نباہ نہ ہو سکے گا، مجبوراً تمہیں طلاق دینی پڑے گی تو یقینی بات ہے کہ وہ تمہارے ساتھ قربانی کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ کیونکہ وہ سمجھیں گی کہ جیسا حسنِ سلوک مسلمان کرتے ہیں اَور کسی قوم میں عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہوتا۔ وہ مجبور ہوں گی کہ تمہارے دوش بدوش قربانی کریں اور اپنی اولاد کو اسی طرح قربانی کا بکرا بنا دینے کے لیے تیار ہو جائیں گی جس طرح مرد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتی ہوں گی کہ اگر ہماری عزت ہے، وقار ہے تو مسلمان خاوند کی وجہ سے ہی ہے ورنہ اس سے الگ ہو کر ہم گائے اور بھینس بن جائیں گی۔ پس تم عورتوں کو اُن کے حقوق ادا کرو اور وہ قوم اور اسلام کے حقوق ادا کریں گی اور وہ تمہارے دوش بدوش قربانی کے لیے اُسی خوشی کے ساتھ تیار ہو جائیں گی جس خوشی سے عید کے دن بکرا قربان کیا جاتا ہے۔

پس خوب یاد رکھو کہ ان چیزوں کے بغیر کامیابی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ پہلی چیز ایمان ہے، دوسری چیز سچ ہے، تیسری دیانت اور چوتھی عورتوں کی اصلاح۔ ان کو قومی کیرکٹر کا جزو بناؤ۔ پھر دیکھو تمہارے کام کس طرح خود بخود ہوتے ہیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے بغیر جب اسلام کی لڑائی لڑنے کا دن آئے گا

تو وہ تمہارے لیے بہت تلخ تجربہ لائے گا۔ لیکن اگر تم ان چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرلو تو خدا تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ کے ساتھ اُٹھے گا۔ تم پر وار کرنے والا تم پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ پر وار کرنے والا ہو گا اور تم دشمن پر وار نہیں کرو گے بلکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اُس پر وار کرنے والا ہو گا"۔ (الفضل 28 مئی 1944ء)

---

1 :مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 475 کتاب معرفة الصحابة۔ مناقب عبدالرحمان بن ابی بکر مطبوعہ بیروت 1978ء

2 :المنافقون:9

3 :تفسیر ابن جریر، تفسیر سورۃ المنافقون

4 :سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 93 مطبوعہ مصر 1965ء

5 :كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ (النساء:136)

6 :مسلم کتاب البر والصلة باب تحريم الْغِيْبَةِ

7 :فتوح البلدان بلاذری صفحہ 143، 144 مطبوعہ قاہرہ مصر 1319ھ

8 :البقرۃ:229